'دشمن کا نام ہونا چاہیے'

ڈینیل پائپس/تبصرہ وترجمہ: سلیم منصور خالد

مغرب کے دانش ور حالیہ صلیبی جنگ کے اگلے مرحلے کے طور پر اب ان اداروں اور مسلم تنظیموں پر ہاتھ ڈالنے کے مشورے دے رہے ہیں جو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک نام ڈینیل پائپس (Daniel Pipes) کا بھی ہے۔ اس کے ایک تازہ مضمون The Enemy Has a Name کا ترجمہ دیا جا رہا ہے، جو مقبوضہ فلسطین کے یہودی اخبار یروشلم پوسٹ میں ۱۹ جون ۲۰۰۸ء کو شائع ہوا اور بعدازاں اس کی ویب سائٹ سے دوسرے حلقوں میں پہنچایا گیا، ترجمہ ملاحظہ ہو:

اگر آپ دشمن کو متعین طور پر نام نہیں دیں گے تو پھر آپ اسے شکست کیسے دے سکیں گے؟ بالکل اس طرح جیسے ڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مریض کے مرض کی تشخیص کرے۔ تاحال امریکا اپنے مخالفین میں سے دشمن کو متعین کرنے میں متردّد نظر آتا ہے۔

۲۰۰۱ء کے اواخر میں امریکی اعلیٰ حکام نے اس ضمن میں غیر مؤثر اور غیر یقینی اعلامیے جاری کیے۔ وزیر دفاع رمزفیلڈ نے کامیابی کو اس امر سے منسوب کیا کہ: ''ہم ایسی فضا پیدا کرنا اور اس کا تحفظ چاہتے ہیں کہ جہاں ہم ہر قسم کی آزادی سے سانس لے سکیں''، جب کہ صدر بش نے کہا: ''ہم دہشت گردی کے عالمی نیٹ ورک کو شکست دینا چاہتے ہیں''۔ دراصل 'دہشت گردی کو شکست' دینا ہی اصل نصب العین اور ہدف ہونا چاہیے، جو تاحال حاصل نہیں ہوسکا۔ ماہرین کے بقول دہشت گردی بذاتِ خود کوئی دشمن نہیں بلکہ دشمن کی ایک جنگی چال کا نام دہشت گردی ہے۔ آخرکار صدر بش نے ۲۰۰۴ء کے وسط میں اعتراف کیا: ''ہم نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دشمن کا

درست نام نہیں لیا۔ دراصل یہ ان نظریاتی انتہا پسندوں کے خلاف جنگ ہے جو آزاد خیال معاشروں میں یقین نہیں رکھتے، اور جو آزاد خیال معاشروں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے دہشت گردی کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں''۔ اگلے برس برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیر نے ذرا وضاحت سے کہا: ''دشمن دراصل وہ مذہبی نظریہ ہے جو دنیا بھر میں اسلام کے نام سے موسوم ہے''۔ پھر اس کے بعد صدر بش نے تین اصطلاحیں استعمال کیں: 'اسلامی انقلابیت'، 'دہشت گردانہ جہادازم' اور 'اسلامی فسطائیت'۔ مگر ان اصطلاحوں پر سخت تنقید کے نتیجے میں بش ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ۲۰۰۷ء کے وسط میں صدر بش نے کہا: ''ہم اس دہشت گردی کے خلاف عظیم جدوجہد کر رہے ہیں، جو شرق اوسط کی سرحدوں سے باہر تک پھیل چکی ہے''۔ یہ ہے وہ موقف جس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے امریکی انتظامیہ اور اس کی ایجنسیاں 'موت کے فدائی، فرقہ واریت کے پرستار' دہشت کے متوالے جیسی غیر واضح اور مبہم اصطلاحوں کو استعمال کرتی ہیں۔

اصل میں یہ دشمن ایک واضح اور جامع نام رکھتا ہے اور وہ ہے: ''اسلام ازم، اسلام کے تخیلاتی پہلو کا انقلابی تصور، اسلام پرست آمرانہ نظریہ، کہ جو بھرپور مالی مدد سے اسلامی قوانین (شریعہ) کو عالمی اسلامی ضابطے کے طور پر نافذ کرنے کا خواب ہے''۔

اس مناسبت سے ہدف بڑا واضح ہے اور وہ یہ کہ: اسلام ازم کو شکست فاش دینا اور اسلام کی ایک متبادل شکل وضع کرنے کے لیے مسلمانوں کی مدد کرنا۔ یہ کام اتفاقیہ طور پر انجام دینے کی سوچ کے ساتھ نہیں بلکہ حلیف قوتوں کی مدد سے اسی جذبے کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس عزم کے ساتھ ماضی میں دو یوٹوپیائی انقلابی تحریکوں، یعنی فسطائیت اور اشتراکیت کو سبق سکھانے کے لیے بڑا مضبوط قدم اٹھایا گیا تھا۔

پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ اس نظریاتی دشمن کو ویسی شکست فاش دی جائے، جس طرح ۱۹۴۵ء اور ۱۹۹۱ء میں کیا گیا تھا۔ مراد یہ ہے کہ اس [اسلامی] انقلابی نظریے کی تحریک کو کمزور اور پھر نابود کر دیا جائے، تاکہ ان کے ہاتھوں دنیا کے ہلائے جانے کی دہشت کا خاتمہ ہو جائے۔ یاد رہے کہ دوسری جنگ عظیم [۴۵-۱۹۳۹ء] ہم نے خون، لوہے اور ایٹم بم کے ذریعے جیتی تھی، ایک تو یہ ماڈل ہوا۔ دوسرا ماڈل [اشتراکی روس سے] سرد جنگ جیتنے کا ہے، کہ جس میں جنگی دباؤ اور پیچیدہ

عمل کو بروے کار لایا گیا تھا، جس نے سوویت یونین کو پُرامن طور پر ریزہ ریزہ کر دیا۔

تاہم اسلامیت کے خلاف فتح پانے کے لیے مذکورہ بالا دونوں حکمت عملیوں کو بروے کار لانا ہوگا، جو بھرپور جنگ، جوابی دہشت گردی، جوابی پروپیگنڈا اور دیگر بہت سے ہتھکنڈوں پر مشتمل ہوگی۔ ماضی میں اس راہ پر چلتے ہوئے افغانستان سے طالبان کی حکومت کا صفایا کیا گیا تھا اور اب اگلے قدم کے طور پر ہمیں قانون پسند اسلامیان (Lawful Islamists) کو نشانہ بنانا ہے، جو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے تعلیمی، دینی، عدالتی، ابلاغی اور سیاسی اداروں میں کام کر رہے ہیں۔

ہمارا اگلا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ ہم ان مسلمانوں کی مدد کریں جو اسلامیان کے نقطۂ نظر کی مخالفت کرتے ہیں اور اسلامی طرزِ حکومت کے برعکس جدید طریقوں پر زندگی گزارنے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن یہ [روشن خیال] مسلمان ایک کمزور مخلوق ہیں اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہے۔ انھوں نے حال ہی میں تحقیق و جستجو کا کام شروع کیا ہے۔ وہ رابطے، ابلاغ، تنظیم، مالیات کی فراہمی اور متحرک ہونے کے لیے محنت سے کام کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ بہت تیزی سے اور مؤثر طریقے سے کرنے کے لیے ان روشن خیال مسلمانوں کو، غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی اور مالی سرپرستی کی ضرورت ہے۔ آخری تجزیے میں اسلامیت نے اہلِ مغرب کے سامنے دو چیلنج پیش کیے ہیں، اور وہ یہ کہ: بات صاف صاف کی جائے، اور فتح کے حصول تک جدوجہد جاری رکھی جائے۔
(www.danielpipes.org)

اس سامراجی یلغار کے راستے صاف کرنے کے لیے خود ہماری اقوام میں، ان کے بہت سے کارندے اپنا کام کر رہے ہیں۔ کبھی یہ کام سامراج کے ٹوڈی، قادیانی اور بہائی کرتے تھے، اب ان کے ساتھ 'روشن خیال' اور منکرین حدیث، طاقت کے سرچشموں پر قابض افراد بھی شریکِ کار ہیں۔ لاہور کے اخبار ڈیلی ٹائمز میں مذہبی آزادی، تقسیمِ ہند، فرقہ واریت، کلچرل آزادی، فری سوسائٹی کے نام پر جو کچھ چھپتا ہے، اس پر سوال اٹھانا 'آزادیِ صحافت' کے منافی قرار دیا جاتا ہے۔ اسی اخبار کے ایک بزرگ کالم نگار نجم سیٹھی نے لال مسجد کے سانحے (۱۰ جولائی ۲۰۰۷ء) کے تین روز بعد لکھا تھا کہ: ''اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کے سیکولر اور روشن خیال طبقے مولویوں

کے خلاف متحد ہو جائیں اور فوج کے ساتھ مل کر ان کا مقابلہ کریں'۔

ڈینیل پائپس کے ارشادات پڑھیے، اور پھر ڈیلی ٹائمز، لاہور کے خصوصی نامہ نگار متعینہ نیویارک خالد حسن کی تائیدِ مزید ملاحظہ کیجیے، آپ کو تمام کردار حیرت انگیز طور پر ایک ہی آرکسٹرا کی دُھن پر رقصاں دکھائی دیں گے۔ انھوں نے ۳ جولائی ۲۰۰۸ء کو بطور 'وعدہ معاف گواہ' لکھا:

گیلپ سروے کے مطابق مسجدوں میں جانے والے مسلمانوں کے برعکس، مسجدوں میں نہ جانے والے مسلمان زیادہ تر دہشت گردی کے پشت پناہ ہیں'۔ بے روزگار مسلمانوں کے برعکس وہ مسلمان زیادہ دہشت گردی کے پشت پناہ ہیں کہ جن کے پاس کُل وقتی ملازمتیں ہیں۔ ● یاد رکھیے، ناخواندہ مسلمان چاقوؤں اور تلواروں سے جہاد کریں گے ● خواندہ مسلمان بندوقوں سے جہاد کریں گے ● اعلیٰ فنی و سائنسی تعلیم کے حامل مسلمان ٹکنالوجی اور انٹرنیٹ کو بطور آلہ استعمال کر کے، جہادی نظریے کی تشہیر کر کے نئے 'مجاہدوں' کو بھرتی کریں گے ● تعلیم یافتہ مسلمان یہی کام اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر زیادہ وسعت سے کریں گے گویا کہ زیادہ پڑھا لکھا مسلمان، زیادہ مذہبی انتہا پسند ہوتا ہے، مطلب یہ کہ پڑھا لکھا فرد [مسلمان] زیادہ خطرناک ہوتا ہے'۔

ایک وقت تھا کہ سازشیں کی جاتی تھیں۔ ان کو طشت از بام کرنا ہی ان کو ناکام کر دیتا تھا۔ لیکن اب تو کھلے عام مشورے ہوتے ہیں، پلاننگ کی جاتی ہے اور اعلان کر کے اس پر عمل کر دیا جاتا ہے۔ جس کو مٹانا ہے، اس کو بتا کر، جتا کر مٹایا جاتا ہے۔

اُمت مسلمہ جس مرحلے سے گزر رہی ہے، اصحاب فکر و نظر پر وہ عیاں ہے۔ دشمن کو پہچاننا ہمیں بھی چاہیے، اسے نام دیں، یا نہ دیں۔ ہمارا مسئلہ تو وہ کرم فرما ہیں جو دشمن کو دوست سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سب ان کو دوست سمجھیں۔ آنکھیں کھول کر، اُمت کے ماضی اور حال پر غور کر کے، مستقبل کے لیے ایسی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس پر پوری اُمت متحد ہو کر عمل کرے۔ ہمارا دشمن ہماری دعوت کا مخاطب بھی ہے، ہم اس کے لیے فکر کریں، اس کے لیے تدابیر کریں، ہر طرح کی تیاری رکھیں، اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرنے والا اور دلوں کو پلٹنے والا ہے۔